JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 40, Issue No.02

JOURNAL'S **PROFILE**

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

TITLE OF THE PAPER

طاہرہ اقبال کے ناول ”ہڑپہ“ کا تانیثی مطالعہ

AUTHOR(S)

* **Dr. Ghulam Asghar**
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliyat, IUB (R.Y.K)
** Dr. Muhammad Yousuf
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliyat, IUB (R.Y.K)
*** Dr. Shahid Hussain
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliyat, IUB (R.Y.K)

CONTACT
* ghulamasghardgk01@gmail.com
** yousuf.noon.786@gmail.com
*** shahidhussain@iub.edu.pk

HISTORY OF THE PAPER

Received on: October 02, 2024
Accepted on: December 30, 2024
Published on: December 31, 2024

DETAIL(S)

Volume No. 40, Issue No. 02, Page No: 93-115
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2024. ©Journal of Research (Urdu) 2024.
This publication is an open access article.

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

* ڈاکٹر غلام اصغر ** ڈاکٹر محمد یوسف *** ڈاکٹر شاہد حسین

طاہرہ اقبال کے ناول ''ہڑپہ'' کا تانیثی مطالعہ

Feminist Study Of Tahira Iqbal's Novel Harappa

ABSTRACT

Feminism as a field of critical study emerged from the thoughts of Mary Wollstonecraft, John Stuart Mill Virginia Woolf and Simone de Beauvoir who voiced for rights of women. The Progressive writers of early 20th century introduced the concepts of feminism in Urdu literature. Tahira Iqbal is a modern writer and in her fiction with cultural setting of conservative Punjab society; has voiced against subjugation of women. Her novel HARAPPA consists of dynamic female characters who stand against brutal and lustful male characters. HARAPPA is a beautiful study of dominant male characters and inner working of social instruments to subjugate the women and novel also presents female characters struggling to thrive in patriarchal society. In her novel she narrated the life and struggle of Snoobar. Snoobar is a daughter of traditional feudal family. She is treated conservatively by her father, two brothers and even by her mother. Her family keeps marriage proposal for her rejected lest land of family will be divided. She succeeds to get married only after the death of her father, mother and two brothers. Her younger brother respects her which writer suggests that norms of society are change now. This study THE FEMINIST STUDY OF TAHIRA IQBAL'S NOVEL HARRAPA interprets the novel according to feminist critical perspective. This study decodes the norms and traditions that Tahira Iqbal Incorporated in her novel and that are used to subjugate women in society.

KEYWORDS

Feminism, Subjugation, Patriarchal, Domination, Conservative

فیمنزم ایک فرانسیسی لفظ ہے جو لاطینی لفظ femina سے ماخوذ ہے جس کے معنی نسوانی اوصاف رکھنا۔اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے فرنچ میڈیکل ٹیکسٹ میں 1871ء میں کیا گیا۔جس کے معنی نسوانی اوصاف رکھنا کے

تھے۔فرانس کے ایک تخلیق کار نے لفظ feminist ایسی عورتوں کے لیے استعمال کیا جو بے باک اور بہادر ہوں اور عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہی ہوں۔(1)

پھر یہ اصطلاح تانیثیت کے نام سے فروغ پانے لگی۔فیمنزم کی کوئی ایک جامع تعریف کی جاسکتی ہے نہ اس کی وسعت کو تعریفات کی روشنی میں سمیٹا جاسکتا۔

تانیثیت انقلاب فرانس کے دوران پروان چڑھی اور اس نے بہت جلد تانیثی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔انسانی تدریج میں خواتین کا ہر طرح کا استحصال ہوا۔اسے پسماندہ رکھا گیا۔خواتین کے ساتھ اس کی جنس کی وجہ سے امتیازی سلوک کیا گیا۔خانگی تشدد، زدوکوب، جنسی استحصال، ریپ، سماجی نابرابری، صنفی امتیاز، ملکیت کا نہ ملنا، زیادہ کام کم اجرت، خاندان میں مناسب سہولیات کا نہ ملنا۔پدر شاہی کی وجہ سے مردوں کی سماج، خاندان، سیاست، معیشت، تعلیم، مذہب پر اجارہ داری، جائیداد کے لیے شادی نہ کرنا۔ووٹ کے حق سے محروم رکھنا جیسی سینکڑوں ناانصافیاں صدیوں تک عورت سے روا رکھی گئی۔تانیثی تحریکوں میں ان مسائل کو چیلنج کیا گیا اور جدوجہد سے حقوق حاصل کیے گئے۔ان ناانصافیوں اور امتیازی سلوک کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا نام تانیثیت ہے۔

فاطمہ حسن ''فیمنزم اور ہم'' تانیثیت کی تعریف اس طرح بیان کرتی ہیں:

> ''فیمنزم اس احساس کا کہ معاشرے میں عورت مظلوم ہے اور اس کا استحصال کیا جاتا ہے اور اس صورت حال کو بدلنے کی شعوری کوشش کا نام ہے۔''(2)

شبنم آرا نے تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول میں انسائیکلوپیڈیا آف سوشیالوجی میں تانیثیت کی تعرف اس طرح بیان کی ہے:

> "Feminism: a movement that attempt to institute social, economic and political equality between men and women in society and distortion in the relationship between men and women".
>
> ''تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جو سماج عورت و مرد کے درمیان سماجی، سیاسی اقتصادی برابری قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے اور مرد و عورت کے رشتوں کے درمیان موجود امتیازات کو ختم کرنا چاہتی ہے۔''(3)
>
> ''فیمنزم نام ہے اس احساس کا کہ معاشرے میں پدری نظام مسلط ہے اور مادی اور نظریاتی سطح پر

عورت کی محنت، جنسیت اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا خاندان میں اور کام کرنے کی جگہ پر غرض پورے معاشرے میں استحصال کیا جاتا ہے اور اسے کچلا جاتا ہے اور وہ تمام مرد اور عورتیں جو اس حالت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ فیمینسٹ ہیں۔"(4)

"عورت کی انسانی حیثیت کو پہچاننا اور معاشرے میں موجود اس انسانی حیثیت کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والی روایتوں کو سمجھنا اور ان کے خلاف عملی اقدام اٹھانا نسائیت (فیمینزم) ہے۔"(5)

فیمینزم کا آغاز اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں انگلینڈ، فرانس، امریکہ، جرمنی اور روس سے ہوا۔اس تحریک کو کامیاب بنانے میں کتاب، ادب اور ادیبوں نے اہم کردار ادا کیا۔خواتین اس تحریک میں پیش پیش تھی لیکن مردوں کا حصہ بھی کم اہم نہیں ہے۔میری وول سٹون کرافٹ کی دو کتب Thoughts of education of Daughters(1787) اور A vindication of the rights of women (1792) کو تانیثیت کی تاریخ میں اولیت کا درجہ حاصل ہے اگرچہ اس سے پہلے ملٹن، پوپ، روسو بھی خواتین کے مسائل کو پیش کر چکے تھے۔ جان اسٹوارٹ مل (John Stuart Mil) کی کتاب on the subjection of women, ورجیا وولف (Virgiea Wool) کتاب A room of one's own اور سیمون بووار (Simon de Beauvoir) کی کتاب The second sex جیسی کئی کتب اور مصنفوں نے مغرب میں تانیثی نظریہ کو مقبول بنانے اور خواتین کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حقوق کی بازیافت میں اہم کردار ادا کیا۔

تانیثی تحریک کی تین لہریں پہلی انقلاب فرانس سے شروع ہوئی۔اس میں عورتوں کو پستی سے نکال کر مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کیا گیا۔نکاح و طلاق کے قانون تبدیل کیے گئے۔انہیں معاشی حقوق دینے کے حق میں آواز بلند کی گئی۔عورتوں کی تعلیم پر زور دیا گیا۔عورت اور مردوں کو برابری کے حقوق دینے کا فیصلہ کیا گیا۔دوسری لہر 1848ء سے شروع ہو کر جنگ عظیم اول تک جاری رہی۔اسی دوران اس تحریک نے تانیثیت کی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔بیسویں صدی میں تانیثیت تنقید (Feminism Criticism) کی بنیاد پڑی۔تانیثیت نے نظریہ، ڈسکورس اور تھیوری کی شکل اختیار کر لی۔ادبی متون کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جانے لگا۔فلسفیانہ طور پر نسائی

مسائل کو زیر بحث لایا جانے لگا۔ڈاکٹر سیما صغیر لکھتی ہیں:

> ''تیسری لہر میں تانیثیت تنقید کا اعلان کر دیا جس کا مقصد ادب کی تانیثی قرات کی شعریات کی تشکیل و تعمیر اور تانیثی مصنف کی واپسی (The return of femal author) آج کی تانیثیت کا مقصد بالخصوص ادب کے میدان میں تانیثی دستخط کی تلاش ہے کیوں کہ گائنو تنقید کے نزدیک یہ اہم ہے کہ عورت اپنے تجربات کی تصویر کشی کیوں کر مرد اساس تجزیے سے خود کو الگ کرتے ہوئے کرتی ہے۔''(6)

اردو ادب میں تانیثی تحریک کو متعارف کرانے میں ترقی پسند ادیبوں نے اہم کردار ادا کیا۔

بیسویں صدی میں مشرق میں اس تحریک کو کامیابی حاصل ہوئی۔اردو فکشن میں زاہدہ خاتون شروانیہ،ڈاکٹر رشیدہ جہاں، عصمت چغتائی،قرۃ العین حیدر،واجدہ تبسم،جیلانی بانو،خدیجہ مستور،ہاجرہ مسرور ،خالدہ حسین،الطاف فاطمہ،زاہدہ حنا،کشور ناہید،فہمیدہ ریاض نے اپنے متون میں طبقہ نسواں کے مسائل کو منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔

طاہرہ اقبال جدید اردو فکشن کا معتبر نام ہے۔فکشن نگاروں میں ان کا شمار صف اول کے ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔طاہرہ اقبال نے تخلیقی ادب میں فکشن کا انتخاب کیا ہے۔وہ تسلسل سے، دھیرے دھیرے جم کر لکھتی جارہی ہیں اور ناول نگاروں کی صف اولین میں جا کھڑی ہیں۔افسانہ نگاری سے ادبی زندگی کا آغاز کیا۔اردو ادب کو سنگ بستہ،ریخت، گنجی بد،زمیں رنگ اور مٹی کی سانجھ جیسے افسانوی مجموعے عطا کیے۔تحقیق و تنقید میں قدم رکھا تو''منٹو کا اسلوب''اور افسانے کی تنقید میں ''پاکستانی اردو افسانہ :سیاسی و تاریخی تناظر میں'' جیسی اہم کتب کا اضافہ کیا۔ان کا ایک سفر نامہ ''نگیں گم گشتہ'' کے نام سے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

لیکن ان کا پسندید فیلڈ ناول ہے، جہاں ان کا فن سر چڑھ کر بولتا ہے۔پنجاب کی تہذیب، ثقافت اور کلچر پوری آب وتاب سے رنگ بکھیرتے نظر آتے ہیں۔وہ ازل سے کہانی کار ہیں۔کہانیاں صف بستہ ہاتھ جوڑ کر ان کے سامنے پورے خدوخال سے کھڑی ہو جاتی ہیں۔پھر وہ اپنی منشاومراد کے مطابق کہانیوں کا انتخاب کرتی ہیں۔چن چن کر کہانیوں کو ناول کے پلاٹ میں سجاتی جاتی ہے۔کہانی پر اس کی گرفت اتنی گہری ہے کہ وہ ایک جملہ سے کہانی کا رخ پھیر دیتی ہے۔قاری کو ناول کی فضا سے دور لے جاتی ہے۔جب قاری کی توجہ ناول کے اصل پلاٹ سے ہٹنے لگتی ہے تو وہ بڑی چابکدستی سے ایک جملہ کہہ کر اصل کہانی میں واپس لے آتی ہے۔اس کے الہامی جملے پورے ناول میں گونجتے رہتے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

ہیں۔مستنصر حسین تارڑ طاہرہ اقبال کے ناول کے متعلق لکھتے ہیں:

"طاہرہ کا ناول بولتا ہے۔آوازوں کا غدر مچ جاتا ہے۔زمینی مناظر زندہ ہو جاتے ہیں۔ڈاچیاں بلبلاتی ہیں۔کجاووں میں براجمان عورتوں کے بدن دوہائی دینے لگتے ہیں۔کماد اور شٹالے کے کھیتوں میں سے پیراہن سنبھالتی حسین دیویاں بہت سیاہ رنگت کی ظاہر ہونے لگتی ہیں۔دربد لگ جاتے ہیں اور انار چھوٹنے لگتے ہیں اور جب آندھی کا غبار اٹھتا ہے تو اس کی گونج سنائی دینے لگتی ہے۔"(7)

ناول میں ان کا پسندید موضوع پنجاب کا جاگیرداری نظام ہے۔اس نے خود اسی نظام کے اندر آنکھ کھولی ہے۔وہ اس نظام کو پوری جزیات کے ساتھ جانتی ہیں۔اسے اس نظام سے نفرت ہے۔یہ استحصالی نظام ہے۔اس پر شدید احتجاج کرتی ہیں۔وہ اس نظام کو سماجی ترقی میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ طاہرہ اقبال کے تین ناول گراں، نیلی بد اور ہڑپہ افق ادب پر نمودار ہو چکے ہیں۔نیلی بد کی زبان،ڈکشن اور موضوعات کا تنوع دیکھ کر لگتا تھا نیلی بد کے بعد ایسا ناول ان سے تخلیق نہیں ہو پائے گا کیوں مصنفہ نے اپنی تمام تر توانائیاں نیلی بد کی تخلیق پر صرف کر دیں تھیں۔لیکن تخلیق ایسا چشمہ ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے۔ہڑپہ موضع،ڈکشن،زبان،اسلوب ہر لحاظ سے نیلی بد سے مختلف ناول ہے۔لیکن ایک چیز اس کے افسانوں اور سب ناولوں میں مشترک ہے۔وہ ہے اس کا تانیثی کلامیہ۔

طاہرہ اقبال فیمنسٹ ہے۔وہ خود عورت ہے اور عورتوں پر ہونے والے جبر و ظلم سے بخوبی آگاہ ہے۔ویسے تو ہر ناول اور افسانے میں عورتیں کی بے بسی اور مرد سماج میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے ندا سلوک پر احتجاج کرتی ہیں اور اس صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے کردار تخلیق کرتی ہیں۔وہ فکشن میں عورت کی خوشیوں، غم، محرومیوں، مجبوریوں کو جرات مندی سے بیان کرتی ہیں۔وہ اپنے فکشن میں ملکانیوں اور جاگیردارنیوں سے لے کر نچلے طبقے طبقے کی نوکرانیوں، پکھی واسیوں، خانہ بدوشوں اور لاوارث عورتوں کے مسائل کو موضوع بناتی ہیں۔طاہرہ اقبال کے ناول ہڑپہ کے تمام نسوانی کرداروں میں تانیثی کلامیے کو شعوری طور پر پیش کیا ہے ۔ صنوبر، چناں، بالی، بڑی بی بی جی، سنیاری، بھاگاں، ماروی، سوائے بڑی بی بی جی کے سب نسوانی کردار محکوم اور مجبور ہیں لیکن اپنے ساتھ ہونے والے مظالم پر احتجاج بھی کرتے ہیں اور اپنا انتقام بھی لیتے ہیں۔ڈاکٹر شاہ محمد مری لکھتے ہیں:

"طاہرہ عورت کو بیان کرتی ہے۔عام اور سرسری نہیں بلکہ تفصیل کے ساتھ، وضاحت کے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

ساتھ، آنکھ سے بھی اور خوردبین سے بھی۔ وہ نہ صرف پامال، کچلی، مسلی ہوئی عورت کو موضوع بناتی ہے بلکہ وہ تورانی، مہارانی، چودھرانی اور بیگم صاحباوں کو بھی لکھتی ہے۔ مگر اس کی عورت ہو بہو شاہ لطیف کی عورت جیسی ہے۔"(8)

شاہ لطیف سندھ دھرتی کی عورت کو مزاحمت، انحراف، بغاوت اور احتجاج سکھاتے ہیں۔ طاہرہ اقبال یہی سب پنجاب کی عورت کے لیے لکھتی ہے۔ شاہ بھٹائی نے سات سورمیوں (شہزادیوں) کی کہانیاں اپنی شاعری میں بیان کر کے عورت کے بدے معاشرے کو نئی سوچ و فکر عطا کی۔ طاہرہ اقبال بھی سات سورمیوں کی کہانیاں بیان کر کے مرد سماج کو نئی سوچ و فکر عطا کرتی ہے۔ طاہرہ اقبال نے عورت کو عورت کی نظر سے دیکھا ہے۔

ہڑپہ کی کہانی نسوانی کرداروں کے ارد گرد گھومتی ہے۔ ناول کا بیشتر حصہ ان کرداروں پر مشتمل ہے۔ ہڑپہ کے نسوانی کردار جاندار، زندہ، متحرک اور باغی ہیں۔ اس کی نسبت مرد کردار ظالم، ہوس پرست اور بودے ہیں۔ مردوں کا کردار دو حوالوں سے پیش کیا گیا ہے۔ مردوں کا ایک طبقہ ہر لحاظ سے عورتوں کا استحصال کر رہا ہے ایک طبقہ عورت کے حقوق اور احترام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ استحصالی طبقہ غالب ہے۔ مرد کرداروں میں بڑے ملک صاحب، امتیاز، رشید خان نیازی، ملنگ، ملک اکو، ملک صابو۔ یہ سب کردار عورت کا استحصال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بڑے ملک صاحب جو جاگیردار ہیں۔ ان کا عورتوں کے بدے وہی نقطہ نظر ہے جو فیوڈل لارڈ کا ہوتا ہے۔ اس نے اپنی بیوی بڑی بی بی جی کو تو ہر قسم کی آزادی دی ہوئی ہے لیکن بیٹی کے معاملے میں نہ مساوات کا قائل ہے نہ اسے تعلیم اور شخصی آزادی دینے کے حق میں ہے۔ اس کی بیٹی اس کی حویلی میں قیدیوں جیسی زندگی گزار رہی ہے لیکن وہ مکمل خاموش ہے۔ یہاں تک کہ وہ صنوبر کو ریڈیو پر کھیل کی خبریں سننے تک کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ امتیاز ملک صاحب کا بیٹا ہے۔ اس کو والدین کے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے۔ وہ بھی بیٹیوں کو جائیداد کا حصہ دار نہیں سمجھتا۔ امتیاز اپنے بھائی کو جائیداد کی خاطر قتل کر دیتا ہے اور بعد میں خود بھی خودکشی کر لیتا ہے۔ ناول میں قلندروں ملنگوں اللہ لوگوں کا کردار بہت بھیانک ہے۔ وہ اگرچہ معاشرے سے کٹ کر جنگل ویرانے میں رہتے ہیں۔ لیکن جب انہیں موقع ملا انہوں نے معصوم تنہا لڑکی چناں کے ساتھ اجتماعی ریپ جیسا گھناؤنا فعل کیا۔ ملک اکو اگرچہ بالی کنجری سے شادی کر کے اچھا قدم اٹھاتا ہے لیکن شادی کے بعد وہ اسے مارتا پیٹتا اور سخت تشدد کرتا ہے۔ ملک صابو لاوارث ماروی کو گھر لے آتا ہے اس سے نکاح کر لیتا ہے۔ لیکن وہ بھی اس پر تشدد کرتا ہے۔ اسے کوئی ازدواجی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ تین بچوں کی ولادت کے باوجود

بھی اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ایک بد کرائے کے قاتل کے ذریعے ٹھکانے لگانے کی کوشش کی۔ماروی قاتل کو سماجت کر کے بچوں کے پاس لوٹ آئی لیکن اس ظالم نے پھر اسے خاموشی سے قتل کرادیا۔دتو مسلی چاندبی بی اور اس کی ماں بھاگاں کو ہڑپہ کے ڈھنڈاروں میں بے یار و مددگار چھوڑ کر سنیاری پکھی واس کے ساتھ ریاست بھاگ جاتا ہے۔جس کی وجہ سے چاندبی بی اور اس کی ماں کو بہت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔چاندبی بی کو جنسی ہراسانی اور اجتماعی زیادتی کا نشانہ بننا پڑا۔دیگر بھی کئی گم نام مرد کردار ہیں جو عورت کا استحصال کرتے نظر آتے ہیں۔بالی کو گھر میں اکیلا پا کر اسے ہراساں کرتے ہیں۔مردوں کے ان رویوں نے بالی کو طوائف بننے پر مجبور کیا۔

ہڑپہ میں کچھ مرد کردار ایسے بھی ہیں جو عورت کے بارے میں عزت واحترام کا جذبہ رکھتے ہیں۔ان میں وڈے ملک صاحب کا چھوٹا بیٹا عطااللہ کا کردار بہت اہم ہے۔عطااللہ سے بچپن میں ہی صنوبر سے غیر انسانی سلوک برداشت نہیں ہوتا۔وہ اس رویے پر والدین کی سخت مخالفت کرتا ہے۔وہ صنوبر کو انسانی حقوق دلاتا ہے۔اسے تعلیم،لباس،شناخت اور زندہ رہنے کی امید دیتا ہے۔مرد کرداروں میں ایک روشن کردار ڈی سی ملک اسلم کا ہے۔جو ماسٹر اللہ دتے کا بیٹا ہے۔مصنفہ نے اس کا کردار بیوروکریسی اور جاگیرداروں کے گٹھ جوڑ کے طور پر پیش کیا ہے۔لیکن ملک اسلم شادی کا پیغام بھیج کر صنوبر کی تمام محرومیوں کا ازالہ کرتا ہے۔

صنوبر اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔طاہرہ اقبال کا پسندیدہ موضوع جاگیردارانہ نظام کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔اس کے افسانے اور ناول جاگیردارانہ نظام کے جبر واستبداد کو بیان کرتے ہیں۔طاہرہ اقبال نے خود جاگیردار گھرانے میں آنکھ کھولی اس لیے ان حویلیوں میں جو ظلم وستم ہوتے ہیں وہ بہت بھیانک ہوتے ہیں۔صنوبر کا کردار کے ذریعے ان حویلیوں میں بیٹیوں کے ساتھ غیرت کے نام پر جو غیر انسانی سلوک کیا جاتا ہے اس کو پوری جزیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔صنوبر وڈے ملک صاحب کی واحد بیٹی ہے۔اس کے دو بھائی افتخار اور امتیاز ہیں۔صنوبر کو اپنے والد کی حویلی میں اپنے بھائیوں کی نسبت کوئی آزادی حاصل نہیں۔وہ بنیادی حقوق سے محروم ہے۔وہ قلعے نما گھر میں بند ہے اسے باہر کی دنیا کا نظارہ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔اس کو تمام آوازوں سے پردہ ہے۔وہ رہائشی حصے کے برآمدے کی آخری سیڑھی سے نیچے نہیں اتر سکتی۔وہ جاگیردارانہ پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔اسے اپنی جسمانی تبدیلیوں کی بلوغت کے اظہار کی بھی اجازت نہیں۔اس کی بلوغت اس کے لیے وبال جان بن گئی ہے۔جسم میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اسے خوف،شرمندی اور کرب کا شکار کر گئی۔اس کی بلوغت پر سب سے زیادہ اعتراض اس کی ماں کو ہے۔وہ خود عورت ہے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

لیکن اس کے اندر ماں کی مامتا کی بجائے سخت گیر غیرت کا پتلا جاگیر دار بستا ہے۔وہ صنوبر کو دیکھتے ہی لعن طعن کے زہر آلود تیر اس کے جسم میں پیوست کر دیتی ہو۔جیسے بلوغت کا اظہار صنوبر کے اپنے بس میں تھا لیکن اس نے بے حیائی کا مظاہرہ کر کے اسے روکا نہیں۔

> ''گھ تے مٹھ بے حیا قد دیکھو عمر دیکھو اور مے نکال لیے۔ارے ہم اتنی اونچی لمبی قد کاٹھ والیاں تھیں لیکن پتا بھی نہ تھا سیدھا سینا اور یہ گھ تے مٹھ گندی سوچ گندے خیالوں کا نتیجہ گندا۔بے حیا بے شرم کچھ کھا کر مر کیوں نہیں رہتی "کتنا بکتی تھی نہ کھا گوشت نہ پی چائے پر سورنی نے کر کے چھوڑا'' ہائے ہائے ھاپڑے کی ماری ہوئی بھوکی مسلنوں کی طرح رجتی نہیں کھا کھا کر مے نکال لیے۔گدھی کو جتنا میں نظروں سے چھپانا چاہتی ہوں اتنا ہی موں کی نمائش کرتی ہے۔آج احاطہ عورتوں سے بھرا ہوا اور گدود باہر نکل آئی۔توبہ نہ شرم نہ حیا۔گند گھول ہی بیٹھی ہو تو چھپا کر تو رکھ۔''(9)

صنوبر پر بی بی جی کا رعب ایسے جیسے وہ ماں نہ ہو بلکہ مالکن ہو،نوکرانیوں کو بھی اپنے وجود کی آزادی تھی۔لیکن صنوبر کو اپنے وجود کے پھلنے پھولنے سکڑنے سمٹنے کی آزادی نہیں تھی۔۔اسے اپنے گھر میں اپنی مرضی سے کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی۔وہ تو وہی کچھ کھاتی جو اسے اجنبی مہمانوں کی طرح دیا جاتا۔اسے خود سے کوئی چیز اٹھا کر کھانے کی اجازت نہیں تھی۔

> ''لیکن وہ تو بس وہی گوشت کھاتی تھی جو اس کے سالن کی پلیٹ میں خود ڈال کر دیتی تھیں۔وہ چائے کا کپ بھی بس وہی پیتی تھی جو وہ خود اپنے ہاتھوں پکڑاتی تھیں۔یہ جرات اس میں کبھی پیدا ہونے دی گئی تھی کہ وہ خود سے کوئی چیز اٹھا کر کھا لیتی۔وہ تو بس وہی ایک روٹی کھاتی جو اسے کھانے کی ٹرے رکھی آتی۔جو اس کا پیٹ کبھی نہ بھرتی تھی۔لیکن مزید روٹی کا ٹکڑا مانگنے کی جرات اس میں کبھی پیدا نہ ہوئی۔''(10)

اس کے برعکس اس کے دونوں بھائیوں کو کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کی مکمل آزادی تھی۔وہ بے دریغ کھاتے پیسڑیاں، مٹھائیاں، کیلے، آم، سیب، انگور، چلغوزے، پستے، اخروٹ دن بھر اس کے سامنے کھاتے ٹھونستے پھینکتے رہتے لیکن صنوبر کو کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی جرات نہیں۔والدین کے حد سے زیادہ لاڈ پیار نے اس کے چھوٹے بھائی امتیاز کو تو بہت بگاڑ دیا ہے۔وہ چھوٹی عمر میں ہی تمام مربعے اپنے نام کرنا چاہتا ہے۔اپنے بڑے بھائی سے نفرت کرتا

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

ہے۔لڑکیوں کو وراثت کا حق دار نہیں سمجھتا:

"مستے کیا بکواس کر رہا ہے لڑکیوں کا کون سا حصہ۔انھیں جہیز نہیں مل جاتا۔اتنی بڑی برات کو کھانا نہیں کھلایا جاتا۔زیور نہیں چڑھایا جاتا بس یہ بتا یہ مربعے میرے نام کیسے ہو سکتے ہیں۔"(11)

ریڈیکل تانیثی نطقہ نظر رکھنے والوں کا خیال ہے مرد معاشرے میں کبھی عورتوں کو یکساں حقوق حاصل نہیں ہو پائیں گے جب تک سماج میں کوئی ڈرامائی تبدیلیاں نہیں آجاتیں۔طاہرہ اقبال بھی صنوبر کو شناخت اور عرفان ذات کے لیے ناول کے پلاٹ میں ڈرامائی تبدیلیاں کرتی ہے۔امتیاز دس مربعے اپنے نام کرانے اور افتخار سے بڑا بیٹا ہونے کا اعزاز چھیننے کے لیے اسے قتل کر دیتا ہے اور افتخار بڑا بھائی ہونے کا یہ حق ادا کرتا ہے کہ عالم نزاع میں بھی یہ بیان دیتا ہے کہ گولی اسے سے خود چلی تھی۔افتخار کی موت صنوبر کو نئی زندگی عطا کرتی ہے۔ایک موت نے اس کی زندگی بدل ڈالی۔صنوبر جو بولنے کے تصور سے کانپتی تھی۔اس کی زبان لڑکھڑاتی تھی:

"اب تو وہ یکبارگی ناصح، وکیل، مبلغ اور منصف بن گئی۔وہ امتیاز کو جینے کی ترغیب دینے کو بڑی بڑی دلیلیں گھڑنے لگی۔وہ کسی بھی اصطلاح سے انجان موٹیویشنل سپیکر بن گئی وہ مہر نفسیات بن گئی۔وہ تقدیر اور قدرت کی موشگافیوں کا اظہار دینے لگی۔اس کی زبان گھنٹوں بولنے کی صلاحیت حاصل کر گئی۔اگر ملک افتخار جیتا ہوتا تو اپنی غلافی آنکھوں کی گھنی پلکیں جھکا کر کہتا۔مجھے پہلے بتا دیتیں میرے مرنے سے آپ کو اتنا کانفیڈنس حاصل ہو جائے گا تو میں پہلے مر جاتا صنوبر جی۔"(12)

صنوبر کو ذرا سا اعتماد، شناخت اور بولنے کی اجازت ملتی ہے تو اس کی صلاحیتیں عود کر سامنے آتی ہیں۔تانیثیت عورت کے شعور ذات کا اظہار ہے عورت کو عرفان ذات کے اظہار سے مرحوم رکھا گیا۔اسے موقع ہی نہ دیا گیا کہ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے۔بلکہ اسے عزت و ناموس کے نام پر جکڑ بندیوں میں بند کر کے یہ کلامیہ کھڑا کیا گیا کہ عورت میں مرد کے مقابلے صلاحیتوں کا فقدان ہے اور وہ ناقص العقل ہے۔صنوبر کا کردار مرد سماج کے تراشے گئے کلامیے کی نفی کرتا ہے اور نانیثی کلامیے کی ترجمانی کرتا ہے۔

ویسے تو صنوبر کے پورے کردار کی تخلیق ایسی کی گئی ہے کہ اس کا کردار تانیثی ڈسکورس پر پورا اترتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ اس ڈسکورس کو سامنے رکھ کر اس کا کردار تخلیق کیا گیا ہو۔صنوبر محکوم عورت کا استعارہ ہے جس پر صدیوں تلک مرد

سماج نے جبر و تشدد کیا۔اس کے حقوق غضب کیے۔عورت کو اظہار کا موقع ہی نہ دیا گیا بلکہ یہ تصور کر لیا گیا کہ عورت صفات و خصائص میں مردوں سے کم تر ہے۔عورت کو مرد کے برابر تو کیا اسے انسان ہی نہ سمجھا گیا۔صنوبر کے ساتھ بھی ایسا کیا گیا اسے عزت و غیرت کے نام پر ایک کمرے میں قید کر دیا گیا اور اس سے تمام حقوق سلب کر لیے گئے مگر صنوبر کو جوں ہی موقع ملا تو وہ امتیاز کو واپس زندگی میں لانے کے لیے ماہر نفسیات کے طور پر سامنے آتی ہے۔وہ اسے احساس جرم سے نکالنے کے لیے فلسفیانہ باتیں کرتی ہے۔وہ قضا و قدر کے فلسفے کو بیان کر کے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔اس کی فلسفیانہ موشگافیاں امتیاز کی زندگی تو نہ بچا سکی۔لیکن حادثات زمانہ صنوبر کو زندگی جینے کا حوصلہ دے گئے۔امتیاز اس احساس جرم میں زہر کھا کر خود کو ختم کر دیتا ہے۔قدرت نے ایک نئی بساط ترتیب دی ۔جیسے ہر تخریب سے نئی تعمیر کا آغاز ہوتا ہے اس طرح افتخار اور امتیاز کی موت نے صنوبر کو نئی زندگی عطا کی وہاں وڈی مکانی بڑی بی بی جی کو بھی اس المیے نے نئی جوانی عطا کی۔نئے وارث کی تمنا نے اس کی ڈھلتی عمر کو نیا شباب عطا کر دیا۔مرد اساس معاشرے میں بیٹی کو وارث تصور نہیں کیا جاتا۔اگر کسی خاندان میں بیٹا نہ ہو تو اسے لاوارث سمجھا جاتا ہے۔ان والدین کو قابل رحم اور بد قسمت سمجھا جاتا ہے۔یہی صنفی امتیاز ہے جس کو تانیثیت اجاگر کرتی ہے۔ تانیثیت مرد اساس معاشرے کے تراشے ہوئے ان Tabos کو رد کرتی ہے۔

> ''بڑی بی بی جی کے اندر سوئی جوانی انگڑائی توڑ کر بیدار ہوئی۔بال زیادہ گھنے اور سیاہ گھٹائیں۔جسم زیادہ سڈول اور بھرپور،رنگت شدید سرخوشی والے غازے میں رنگ گئی تھی۔ان کی سوچ کئی الٹے درجے نیچے اتر کر جوانی والی منڈیر پر چھچھانے نئے زیورات، کپڑے، جوتے، چھن چھن کھن کھن جوانی عود کر پلٹی تھی اور مصاحبت کے لیے نومولود بچوں کی ماوں کو بازیابی کی اجازت ملی تھی۔''(13)

اجڑے ہڑپہ پر نئی بستی تعمیر ہوئی۔ملک صاحب کی حویلی میں لاوارث زمینوں کے وارث عطا اللہ کی آمد ہوتی ہے۔عطا اللہ کی پیدائش نے صنوبر کی بے مقصد زندگی کو کارآمد بنا دیا۔اس کی جامد اور اداس زندگی میں تحیر اور تحرک پیدا کر دیا۔اب اس کی زندگی کا مقصد عطااللہ کی خبر گیری اور خیال داری کرنا تھا۔اس طرح صنوبر کو اس بہانے جینے کی اجازت مل جاتی ہے۔عطااللہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو صنوبر کا محافظ بن جاتا ہے۔طاہرہ اقبال مزاحمت پسند ہے وہ عورتوں پر ہونے والے مظالم پر احتجاج کرتی ہے مزاحمت کرتی۔وہ عورتوں پر ہونے والے جبر کے خلاف انتقام لینے کے لیے فرعون کے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

گھر میں موسیٰ پیدا کرتی ہے۔ عطا اللہ کا کردار اس نے وڈی ملکانی کی رعونت کو خاک میں ملانے کے لیے تخلیق کیا ہے۔عطااللہ صنوبر کو پڑنے والی ہر گالی کا جواب اسی لہجے میں دیتا ہے:

> ''تو گدھی تو ڈائین تو مرے تیرا جنازہ پڑھا جائے وہ ساری گالیاں اور بد دعائیں الٹا رہا تھا۔لگتا یہ وہ نہیں بول رہا اس کے اندر کوئی گھس بیٹھا ہے۔جو پھٹ پڑا ہے۔کیا گالی کی تشفی اس سے بڑی گالی ہے۔یہ منتوں مرادوں سے مانگا ہوا بیٹا یوں مدمقابل کھڑا ہو جاتا جیسے تقدیر حائل ہو جاتی ہے۔جیسے مکافات عمل۔وہ بی بی جی کو مات دیتا پسپا کرتا۔اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا صنوبر کے بند کمرے کے دروازے سے لگا پہروں بیٹھا رہتا۔''(14)

عطااللہ صنوبر کی ساری محرومیوں کا ازالہ کرتا ہے۔اگر وڈی ملکانی اس پر احتجاج کرتی رہی اور صنوبر پر طنز، مغلظات اور بد دعاوں کے تیر بھی برستے رہے:

> ''ہائے شیر جوان چلے گئے۔یہ گدھی رہ گئی،ان کی جگہ تو کیوں نہ مر گئی،تو کیوں نہ گولی کے سامنے آگئی۔تو کیوں نہ زہر پیالہ پی مری،پاس کھلو کے مرتے دیکھتی رہی۔ہماتڑ کے بھائی آنکھوں کے سامنے یوں مڑتے تو آپ ڈھیٹ بن کر بے غیرتی کی زندگی کبھی نہ جیتی۔کیا معلوم خود آپ شامل ہو سازش میں کہ زمینوں کی مالک بن جائے۔پر تیرے منہ میں تو میں سور بھی نہ دوں۔زہر مہرہ دوں دوں گی۔وہ بھی کھولے کوزے میں بھر کر۔''(15)

ہماتڑ کے اپنے تین بیٹے جوانی میں چلے گئے لیکن ہماتڑ پر کوئی فرق نہیں پڑا۔اس کے معمولات زندگی تک نہیں بدلے۔نیا وارث پیدا کرنے کی سرخوشی نے اسے سب کچھ بھلا دیا جیسے کوئی المیہ پیش ہی نہ آیا لیکن وہ صنوبر سے امید رکھتی ہے کہ وہ بھائیوں کے غم میں زہر کھا کر مر جائے۔ملکانی صاحب خود ایسا کیوں نہیں کرتی۔کیوں کہ اس نے تو ابھی اور زندگی جینی ہے جب کہ صنوبر کو تو زندگی جینے کا حق ہی نہیں۔جاگیر دار گھرانوں میں زمین، جائیداد اور ملکیت بہت اہم ہوتے ہیں۔زمین کے مقابلے میں بیٹیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔بلکہ جاگیرداری نظام میں بیٹیوں کو بن بیاہی بٹھا دیا جاتا ہے یا قرآن سے شادی کر دی جاتی ہے۔صنوبر بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ملک صاحب کے جاگیردارانہ رعب و استبداد سے کسی کو صنوبر کا رشتہ مانگنے کی جرات نہیں۔رشتہ کرنا والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے۔لیکن صنوبر کے والدین کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ بڑی بی بی جی رشتے نہ آنے کا قصوروار بھی اسی کو سمجھتی ہے اور طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔جب ماسٹر اللہ دتہ کے بیٹے ملک اسلم کا رشتہ آیا جو سی ایس ایس کر کے اے سی بن گیا

تھا۔رشتہ تو قبول نہ کیا گیا مگر اسی دن بی بی جی کی دھتکار کو ایک نیا رخ میسر آ گیا۔

"ہائے ہائے تیرے جیسوں کو جینے کا حق ہے بھلا۔شیشہ دیکھ کر مر جا کہیں۔در فٹے منہ رشتہ بھی آیا تو ماسٹر اللہ دتے کے چھوکرے کا۔اخے اے سی ہے تو کیا اوقات بدل گئی۔مانگا بھی تو منگتوں نے۔"(16)

عطااللہ کے سامنے وڈے ملک صاحب کی ایک نہ چلتی تھی۔وہ ہر وقت اس کی ہر فرمائش پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے شاید افتخار سے کی جانے والی زیادتیوں کا ازالہ ہو۔عطااللہ نے صنوبر کے لیے پرائیویٹ میٹرک،ایف اے،بی اے اور ایم اے کا انتظام کیا۔اس کے لیے بڑی بی بی جی کے معیار کے چار چار سوٹ لایا۔شہر سے اس کے لیے ریڈیو ٹیپ ریکارڈ اور کھانے پینے کی چیزیں پیزا، برگر،سینڈوچ لاتا۔اس نے وہ سب چیزیں صنوبر جی کے آگے ڈھیر کر دیں جن کو چھونا بھی اس کے لیے ممنوع تھا۔مصنفہ نے صنوبر کے کردار کے ارتقا میں تانیثیت کا ارتقاد کھایا ہے۔تانیثی تحریکوں کو کئی مراحل میں حقوق حاصل ہوئے ہوئے۔انقلاب فرانس سے شروع ہونے والی ان تحریکات میں بتدریج ووٹ کا حق، جائیداد کا حق، تعلیم ،روزگار،مذہبی، معاشی ،سیاسی اور سماجی خود مختاری حاصل کی گئی۔عورتوں کا بااختیار بنانے میں طویل جدوجہد ہے۔طاہرہ اقبال نے صنوبر کی زندگی کو کئی لہروں میں تبدیل کیا ہے۔پہلے مرحلے میں وہ محکوم اور مجبور ہے۔اس کو بھائیوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔تعلیم اور اظہار سے محروم رکھا گیا۔دوسرے مرحلے میں افتخار اور امتیاز کی وفات کے بعد اسے حالات کی تبدیلی سے کچھ آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔لیکن تیسرے مرحلے میں عطااللہ اس کا تیسرا بھائی والدین کو پسپا کر کے اس کی تمام خواہشات اور محرومیوں کا ازالہ کرتا ہے۔عطااللہ کا کردار تانیثیت پسند مردوں کی نمائندگی کر رہا ہے۔عورتوں کو بااختیار بنانے میں مردوں کا بھی اہم حصہ ہے۔

عطااللہ کی ناگہانی موت وڈے ملک صاحب کی وفات اور بڑی بی بی جی کی اپنی راجدھانی سے ہمیشہ کے لیے رخصتی نے صنوبر کو بااختیار بنا دیا۔اب صنوبر اتنی بڑی حویلی, مربعوں،مال مویشی رعیت راج کی اکیلی مالک بن گئی۔صنوبر عمر بھر آزادیوں پر رشک کرتی رہی تھی۔آج اسے سب آزادیاں مل گیا۔اب اسے معلوم ہوا کہ اس بند چار دیواری میں کتنی وسعتیں پوشیدہ تھیں۔پورے علاقے کے چھوٹے بڑے زمیندار،اسمبلیوں کے ممبر، تھانہ پٹوار خانہ،اے سی،ڈی سی تعزیت کے لیے چل کر آئے ہیں۔ڈی سی صاحب ملک محمد اسلم ماسٹر اللہ دتے کا بیٹا خود تعزیت کے لیے آیا ہے صنوبر جسے ایک لفظ زبان سے ادا کرنی کی عادت نہیں یکبارگی اسے جرات اظہار مل گئی۔کتابوں کے رٹے رٹائے سارے الفاظ

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

اس کی زبان پر جاری ہو گئے۔ وہ ڈی سی صاحب سے یوں مخاطب ہوتی ہے:

''میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں کیونکہ آپ کے قابل فخر والد صاحب نے مجھے اور میرے مرحوم بھائیوں کو شناخت کروائی اور ہمیں جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی سے ہمکنار کیا۔ ہمارے اندر علم و دانش کی جو شمع روشن ہوئی وہ انہی کے طفیل تھی۔''

وہ تو بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اچانک بڑی بی بی جی کی دھاڑ کہیں سے ابھری:

''نہ گدھی یہ کیا کر توت گھول رہی ہے۔ یہ ماسٹر اللہ دتے کا چھوکرا کیا ڈی سی ہو کر ہمارے مقابل آ گیا ہے۔ یہ تیرے چہرے پر جو لالی کھل رہی ہے تو خوب جانتی ہوں پر وہ نہ ہو گا جو تو چاہتی ہے۔ بڈھی دھتکاری ہوئی خاندان کی عزت سے کھلواڑ کر رہی ہے۔''

ڈی سی صاحب جب دوسری بار تشریف لائے تو اس نے صنوبر کی زندگی میں تمام خوشیاں بھر دیں۔ منشی ریحان اس خاندان کا وفادار منشی بڑے ادب سے بڑی التجا سے یہ پیغام لایا۔

''وہی پیغام جو برسوں پہلے ان کے والد صاحب بڑے ملک صاحب کے پاس لائے تھے۔ پر قبولیت نہ ہوئی تھی۔''

مصنفہ ہر عورت کو بااختیار بنانا چاہتی ہے۔ اس کی ذات کی تکمیل چاہتی ہے۔ اسے جرات اظہار دیتی ہے۔ اس کی زندگی میں خوشیاں دیکھنا چاہتی ہے۔ صنوبر جسے اس کی ماں نے بیسوں مرتبہ بتایا تھا کہ کوئی مسلی بھی تیرا ہاتھ مانگنے نہیں آیا آج شہر کا حاکم ارداس اور التجا لے کر آیا ہے۔ شادی کا پیغام، اس کے لیے شادی کا پیام جسے کسی مسلی تک نے شادی کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ جس کے ساتھ کی مسلنیں پانچ پانچ بچے جن چکی تھی۔ صنوبر کی خوشی دیدنی ہے۔ صنوبر سے زیادہ مصنفہ اور مصنفہ سے زیادہ قاری اس طربیہ اختتام پر سرشار ہے۔ ساری کائنات اس پیغام پر جھوم اٹھی ہے۔ اس سرشاری میں فکر تونسوی کی ایک نظم حوا کی بیٹی بے ساختہ یاد آ گئی:

خوشبوئیں پھیلیں غزل خواں ہو اٹھے برگ و شجر
جھوم کر گونجا کوہستاں گھوم کر ناچی زمیں
گا اٹھیں خوابیدہ چٹانیں سمندر رقص میں
رقص میں تھا معبد خاکی بہ طرز دل فریب
نور میں ڈوبا ہوا آکاش مندر رقص میں

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

اپنے اکتارے بجا اٹھے حشرات جہاں
شیر چیتے بھیڑیئے غزال بندر رقص میں
اور ادھر بایں ہمہ نغمہ وران بحر و بر
اپنی حوا کو لیے تھا اک قلندر رقص میں

ڈی سی صاحب اپنی حوا کو لے کر رقص کر رہا ہے اور صنوبر ایک فلک شگاف قہقہے کے ساتھ ریخت کے افسانے چرواہا کے ایک کردار لولہا کا وہ انتقامی مکالمہ گنگنانے لگتی ہے جو لولہا انسانوں کے دیے جانے والے دکھ اور حقارتوں کا انتقام لالیوں، چڑیوں، فاختاؤں اور بھڑوں کے سر کچل کر عالم سرخوشی میں گنگناتا تھا:

لالی میرا سٹا بھنیا، میں لالی دا گھٹا بھنیا
لالی ہو لا، لالی ہو لا آ آ آ

چرواہا سے انسانوں کے ناروا سلوک نے اسے وحشی بنا دیا۔ صنوبر کو بھی گھر والوں کے جبر نے احساسات سے عاری کر دیا ہے۔ اسے اپنی والدہ اور والد کی وفات کا قطعاً کوئی دکھ ہے نہ ملال۔ نہ اسے گھر میں اکیلی رہ جانے پر کوئی خوف اور ڈر ہے۔ وہ تو حاصل ہونے والی آزادی اور خود مختاری پر قفس سے آزاد ہونے والے پنچھیوں کی طرح خوشی سے پھڑ پھڑا رہی ہے۔ اس کے حلق سے عجب قہقہے ابھر رہے ہیں۔ جیسے پرندوں میں کھلبلی مچ گئی ہو۔

ہڑپہ کا ایک اہم کردار چناں یا چنی ہے۔ چنی شوہدی، کالی بھدی، ٹھگنی، پھیینی، گندی بھتی جو ہڑپہ کے ڈھنڈاروں میں اپنی والدہ بھاگاں اندھی محتاج کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا والد دتو مسلی اس کی ماں کو ہڑپہ کے کھنڈرات میں چھوڑ کر ایک پکھی واسن کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ مرد سماج میں اس کو بالکل ہی معیوب نہ سمجھا گیا تھا۔ نہ دتو پر کوئی تعزیز لگی نہ اس کا منہ کالا کیا گیا نہ اسے آوارہ کنجر کہا گیا۔ طاہرہ اقبال اسی صنفی امتیاز کے خلاف احتجاج کرتی ہے۔ مرد جرم کرے اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ عورت سے غلطی سرزد ہو تو صدیوں تک اس کی نسلوں کو سزا ملتی ہے۔ دتو کی ذمہ داری بھاگاں کو نبھانا پڑی۔ چناں کی ماں نے محنت مشقت کر کے چنی کو پالا۔ چنی نے بچپن ہی سے اپنی والدہ کے ساتھ ہڑپہ کے آثاروں کے کھنڈرات میں ادھار یے کی بکریاں چرانا شروع کر دی

تھی۔چنی کو لڑکی ہونے کی حیثیت سے فطرت اور اس میں موجود طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔چنی کا کردار غریب مجبور عورت کا استعارہ ہے۔غریب مجبور عورت کی زندگی بچپن سے نامساعد حالات کا سامنا کرتے گزرتی ہے۔ہڑپہ کھنڈرات کے رکھوالے، گارڈ، پہرے دار چنی اور اس کی بکریوں کو دھتکارتے ٹھڈے مارتے۔ہڑپہ کے آثاروں کے قریب نل پر کپڑے دھوتی عورتیں اسے ہٹ دور دفع ہو، بے وضو پلید قبرستان کی بے حرمتی نہ کر دور دفع ہو ہمارے بچوں پر نحس سایہ نہ ڈال جیسے القابات سے نوازتی۔ہڑپہ کے آثاروں کے ارد گرد ہل چلانے والے کسان بھی اسے نفرت سے دھتکارتے۔چرواہے بھک منگے اسے دبوچ لیتے۔چنی بھی بے باک بہادر ہے۔کسی سے ڈرنے والی نہیں۔وہ اپنے سے کئی گناہ طاقت ور پہرے داروں پر جھپٹ پڑتی ہے۔

''جب تک نئے پہرے دار نے چٹلے سے پکڑ کر اسے کھائی میں اچھالا اس وقت اس کی گردن میں نوکیلے دانت دھنسا دیے۔اس کی گردن پر تین زخم پروچکی تھی اور خون زبان کی چٹکبری نوک سے چاٹ رہی تھی۔''(17)

چناں زخمی پرندے پر جھپٹی مارنے والا چرواہا چناں پر جھپٹا چناں اس سے بھڑ جاتی اور پرندے کو کسی جھاڑی میں چھپنے کا موقع مل جاتا۔۔۔۔چنی لڑکے کے بازوں اور گردن پر دانتوں اور ناخنوں سے جنگلی بلی کی طرح حملہ آور ہوتی۔وہ اسے گھونسے مارتے ہوئے الگ ہو جاتا۔طاہرہ اقبال کی عورت مرد سماج میں مزاحمت کرتی نظر آتی ہے۔چناں بھی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتی لیکن زندگی کے بدے خوب صورت شعور رکھتی ہے۔وہ فلسفیانہ اور دانشمندانہ باتیں کرتی ہے۔چناں کی باتیں ناول کی روح بن جاتی ہیں اور ناول کے اختتام تک چناں کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔

چناں کے ساتھ وہی ہوا جو مجبور طبقے کی عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ایک دن جب وہ ڈھنڈاروں میں بکریاں چرانے گئی تو قلندروں ملنگوں نے اس کے ساتھ برا بھلا کیا۔چناں رات بھر اپنی جھونپڑی میں واپس نہ آئی تو صبح سویرے بھاگاں اور بالی ڈھنڈاروں میں پہنچی تو چناں نیم مردہ پڑی ملی۔ملنگوں اور قلندروں نے ساری توانائی اس کے جسم سے کشید کر لی تھی۔جب چناں کی ماں بالی سے پوچھتی اس کو کیا ہوا یہ بولتی کیوں نہیں۔بالی کا جواب مجبور عورت کے ساتھ ہونے والے جبر کی ترجمانی کرتا ہے:

"ہونا کیا تھا ماسی ! وہی جو ایک نہ ایک روز تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ ساریوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کل کا ہوتا آج ہو گیا۔ پہلی بار تو پیڑا سہنا پڑتا ہے پھر عادت ہو جاتی ہے۔ چپ کر ماسی کچھ نو یکلا نہیں ہوا اس کے ساتھ۔ جیتی ہے موئی نہیں ابھی۔"(18)

عورت ہر جگہ غیر محفوظ ہے، اسے کو ہراساں کیا جاتا ہے۔ تشدد کیا جاتا ہے۔ جنسی تشدد کا نشانہ نبایا جاتا ہے۔ تانیثی ڈسکورس عورت کے ساتھ ہونے والے اس جبر کو چیلنج کرتا ہے۔ مصنفہ بھی اس جبر کو چیلنج کر رہی ہے تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو۔ ایسے ظلم کو آہنی ہاتھوں سے روکنا چاہیے۔ لیکن مرد سماج میں ایسے تشدد کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ چنی کی ماں جب ارداس لے کر بڑے ملک صاحب کے پاس گئی تو اسے گھنٹوں مکھن اور لسی کے احترام میں کھڑا ہونا پڑا۔ جب مکھن لسی رڑک لیا گیا تو پھر ملک صاحب نے بڑی بے نیازی سے بھاگاں کو جواب دیا:۔

"ملک صاحب نے محتاج کے سر پر دست شفقت رکھا۔ صبر کر گھر جا۔ جن کے نام لیتی ہے۔ اس سے تو ڈنٹ لینا بھی او کھا پھر بھی ہزار دو دلا ہی دوں گا۔"

ملک صاحب کے نزدیک ایک معصوم جان کے ساتھ جنسی تشدد کی یہی قیمت تھی۔ یہ بے حسی ہر جاگیردار کے رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ صرف ملک صاحب نہیں امام مسجد بھی چنی کو قصوروار سمجھتا ہے:

"امام مسجد نے کہا اس فاتر العقل چھوکری کے الزامات پر اللہ لوگوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنا گناہ کبیرہ ہے۔"

چنی کی زبانی مرد کے نطقہ نظر کی تصدیق ہوتی ہے:

"ملا کہتا ہے اللہ لوگوں کو سب معاف۔ اللہ میاں نے مجھے ان پر حلال کر دیا ہے۔ میرے جیسی ساری چنیاں ان پر حلال ہوتی ہیں۔"

جب بات میڈیا، این جی اوز، حقوق نسواں کی باجیوں اور صاحبوں تک پہنچتی ہے تو چناں اچانک چاند بی بی بن جاتی۔ پورے ملک میں طوفان مچ جاتا احتجاج، جلاو گھراؤ، قتل وغارت تک نوبت آ جاتی ہے۔ حکومت وقت کے ایوان لرزنے لگتے ہیں۔ این جی اوز پر ڈالروں کی بدش ہونے لگتی ہے۔ مصنفہ نے این جی اوز اور انسانی حقوق کی تنظیموں کا پردہ

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

چاک کیا ہے۔ایسے واقعات کو اٹھا کر سنسنی پھیلانے سے ان کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں۔وہ عورت کی مظلومیت کو اشتہار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔بہر حال ان حقوق نسواں کی تنظیموں نے کوتاہ چنی کو صاحبِ عزت و حرمت بنادیا۔چاندبی بی کو شواہد کی عدم دستیابی پر انصاف تو نہ مل سکا نہ مجرموں کو کوئی سزا ہو سکی۔اس ریپ کے بدلے اسے چند انسانی حقوق اور شناخت اور ہڑپہ کے آثاروں میں گائیڈ کی ملازمت حاصل ہو گئی۔ہڑپہ کے آثاروں میں کام کرنے والا چنی کے مقابل مرد گائیڈوں اور پہرے داروں کی کوئی اہمیت نہ رہی۔چنی کا ان مرد ملازموں سے ہر وقت پھڈا رہتا۔وہ بات بات پہ ان کی تذلیل کرتی۔وہ فر فر انگریزی بولنے لگی۔وہ فلسفے اور نظریے بیان کرنے لگی۔چنی اب ہڑپہ کے کھنڈرات کی داستان سیاحوں کو یوں سناتی جیسے وہ اس تہذیب کی عینی شاہد ہو:

"سر! یہاں ایک ترقی یافتہ تہذیب دفن ہے۔دنیا کے پہلے پہلے تہذیب یافتہ باشندے، جن کی شاندار رہتل ان کے مکانوں ان کے ہنر اور فن سے عیاں ہے۔یہ امن پسند اور فنون لطیفہ کے دلدادہ لوگ یہ مجسمہ سازی اور ظروف سازی میں کمال رکھنے والے فنکار، ہنر مند، امن پسند لوگ عورت کو بہت عزت دیتے تھے۔"(19)

مردوں سے چنی کا یہ اختیار اور اعتماد برداشت نہ ہو سکا۔عورت ذات ہو کر مردوں کی تذلیل کرتی ہے۔آخر کسی مرد جری کی غیرت طیش میں آگئی۔چاندبی بی کو اپنے گھر میں گھونٹ دیا۔بلا آخر نافرمان ناپاک وجود سے دھرتی پاک ہو گئی۔چنی چرواہی اجڈ گنوار ہے لیکن جب اسے اظہار کا موقع ملا تو وہی چرواہی فلاسفروں جیسی باتیں کرتی ہے۔تانیثی مفکرین کا بھی یہی خیال ہے کہ عورت کو اظہار ذات کا موقع دیا ہی نہیں گیا۔ورنہ عورت کی تخلیق میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی۔مصنفہ بھی صنوبر اور چنی کے کردار سے اس نقطہ نظر کی وضاحت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔عورت کو مرد کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔مرد اگر عورت کی تذلیل کرے اسے تھپڑ، مکے، لاتیں مارے تو یہ اس کا حق ہے۔اگر عورت سے ایسی گستاخی ہو جائے تو مرد کی غیرت طیش میں آجاتی ہے۔جیسے چاندبی بی نے ہڑپہ کے آثاروں میں ہر قسم کی تذلیل برداشت کی مگر جب چاندبی بی کو تھوڑے سے اختیارات حاصل ہوئے اور اس نے مردوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر باتیں کرنا شروع کیں تو ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔اسی طرح چاندبی بی مردوں کی غیرت اور انا کی بھینٹ چڑھ

گئی۔گلہ دبا کر اس کی زندگی چھین لی گئی۔

ہڑپہ کا ایک اہم کردار بالی ہے۔جس کا پورا نام لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں۔الفاظ لڑکھڑا جاتے ہیں۔وہی نام جو ہر طوائف کالقب ہے۔خالصتاً مردوں کادریافت کردہ لفظ۔جو عورت کے لیے سب سے بڑی گالی ہے۔بالی اس بڑی گالی کو خود اپنی ذات،اپنے نام کا حصہ بنالیتی ہے:

> ''میں تو ذات کی کنجری ہوں خود بتاتی ہوں اپنا نام ''بالی کنجری''کنجری اپنی ذات میں اکلی، کنجری آپ اک ذات، کنجری آپ اک دھرم۔''

بالی کی داستان ہر طوائف کی داستان ہے۔کوئی عورت طوائف کا پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہتی۔پدری نظام بے بس عورتوں کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔بالی کی ماں مری تو بالی اکیلی رہ گئی۔پانی کی بدیاں باندھنے والے،سانپ،چوہے،بلے کتے،بھیڑیے،دیو،بھگیاڑ،کتلیوں والے سور دروازے توڑ کر اندر گھس آتے۔آخر اکیلی عورت ذات کب تک مزاحمت کرتی۔

بالی نے بہت سے مردوں سے بچنے کے لیے بوڑھے سکندرے،کرمے منہاری،نامو موچی،گاموں چڑھو،صابو کھجی کے ساتھ بھاگنے کو مناسب سمجھا۔لیکن ایک مرد بھی اسے راس نہ آیا،بالی سے کسی نے وفانہ کی۔پدری سماج نے بالی کے ساتھ بھاگنے والے مردوں پر کبھی انگلی کھڑی نہیں کی بلکہ ہر بد ان کی انگلیوں کارخ بالی کی طرف ہوا۔ہر بد بالی کا منہ کالا کر کے گدھے پہ بٹھایا گیا جب کہ مرد ہر بد نہائے دھوئے گھوڑے سوار۔معاشرے کے معزز افراد۔مصنفہ اس سماجی نابرابری کے خلاف لکھتی ہے کہ ایسا کیوں ہے مرد کوئی ایسا عمل کرے تو مردانگی اگر عورت سے قصور سرزد ہو جائے تو کنجری۔یہ تانیثیت کا نقطہ نظر ہے۔یہ صنفی امتیاز تانیثیت کا نقطہ نظر ہے۔

بالی کو طوائف بن کر بہت سی آزادیاں اور سہولتیں میسر آگئی۔اب بالی وسنیک کی دوسری عورتیں کی طرح نہیں رہی جن کے شوہر بے حس اور ساسیں انتہائی ظالم اور کنجوس۔بہوؤں کو لسی کا چھنا بھی خود سے لینے کی اجازت نہیں دیتی۔اچار کا مرتبان بھی تالے میں رکھا ہوتا۔جس کی چابی ساس کے پراندے یا نالے سے سیندھے رہتے۔روزانہ اپنے شوہروں سے مار کھا کر نیلو نیل ہو جاتی ہیں۔دن بھر مشقت کرتی ہیں۔ساس نندوں کے طعنے اور کوسے سہتی ہیں۔ہر سال بچہ جنتی ہیں۔شوہروں سے انہیں آزادانہ مباشرت کی بھی اجازت نہیں۔ان کی مائیں پورا پہرہ دیتی۔جوانی کا بہترین حصہ شوہروں سے چھپ چھپ کر ملنے میں گزر جاتا۔وہ دانتوں پر دنداسہ نہیں مل سکتی۔چہرے پر کریم پاوڈر

نہیں لگا سکتی۔ سجنے سنورے پر پابندی ہے۔نکی بنیان نہیں پہن سکتی کیوں یہ سب کام کرنے والی عورتیں لچی بد چلن بد معاش کہلاتی۔

بالی نے مجبوراً یہ پیشہ تو اختیار کر لیا لیکن گھر بسانے کی شدید خواہش اس کے اندر اب بھی موجود ہے۔جس کا اظہار وہ بھاگاں سے مکالمہ کرتے ہوئے کرتی ہے:

> ''ماسی !میرا جی بھی آوے کہ کسی میں، میں بھی جی جاوں۔پر جب کوئی کنجری ہو گئی تو پھر صرف کنجری رہ گئی۔کوئی انگ ساک نہ رہا حالانکہ وہ کسی ماں باپ سے ہی پیدا ہوتی ہے پر بیٹی نہیں رہتی۔بہن بھائی چاچے مامے پھوپھیاں ماسیاں سب ہوتے ہیں پر نہیں رہتے۔جس روز کوئی کنجری ہو گئی اس روز سارے ساتھ چھٹ گئے صرف عورت اور مرد والا ازلی ساتھ رہ گیا جس پر کسی دین دھرم یا وسیب کی مہر نہیں لگ سکتی۔''(20)

بالی ہڑپہ کے کھنڈرات میں دیوی بن کر رہتی ہے جہاں ملک، خان، کسان، مزدور ہر قسم کے مرد اس کی پوجا کے لیے حاضر ہوتے۔ بالی انہیں سانپ، چوہے، بلے، کتے، بھیڑیے، بھگیاڑ کتلیلوں والے سور کہتی ہے۔کوئی عورت کنجری نہیں بننا چاہتی حالات و حادثات اور مردوں کی ہوس عورت کو یہ پیشہ اپنانے پر مجبور کرتی ہے۔بالی کو بھی مجبوریوں نے طوائف بنا دیا۔

> ''میں آپ ہی آپ تو کنجری نہیں ہو گئی، بنانے والوں نے بنایا۔میں تو عورت مرد کے سچ کو بھی نہ جانتی تھی۔آٹھ دس سال کی نابالغ تھی کہ کچا گھڑا ٹوٹ گیا۔پہلے گیدڑ، بجو، بلے، کتے سرنگ کھود کر شکار پر چھپٹے جب منہ سے لہو ماس لگ گیا تو بوہر کہیں پھیل گئی پھر بھگیاڑ سور بھو کی پیاسی کو کھو مچھ جاتے۔''(21)

جب بالی نے اپنی محنت کا معاوضہ طلب کیا تو مردوں نے اسے کنجری کہنا شروع کر دیا۔مردوں کی منافقت اور دوغلے پن کو ظاہر کیا گیا۔بالی کے کردار میں مرد کی منافقت، ہوس اور خواتین کے متعلق نقطہ نظر کو کئی موقعوں پر عیاں کیا گیا ہے۔

طاہرہ اقبال عورتوں کے حقوق کی علم بردار ہے اس سے عورت کا استحصال، تشدد برداشت نہیں ہوتا۔وہ عورتوں کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔وہ عورتیں پر ان پابندیوں کی مخالف ہے۔وہ عورت کو ہر روپ میں حاکم خود مختار، باعزت اور با اختیار دیکھنا چاہتی ہے۔اگرچہ بالی نے اعلانیہ ایک ذلت آمیز پیشہ اختیار کر لیا ہے۔لیکن وہ اپنے ڈھابے پر پوری شان سے

رہتی ہے۔دور دراز سے مرد اس کی خوشبو سونگھنے ،اس کے رنگ برنگے پراندے دیکھنے،اس کے دنداسہ ملے موتیوں جیسے دانت اور کاجل لگی آنکھوں کی ایک جھلک دیکھنے آتے ہیں۔ہڑپہ کے آثاروں کے محافظ،ہوٹلوں، کھوکھوں اور ڈھابوں والے اس کے اچھالے جوتے کے لیے ہمہ وقت بالی کی فرمائشوں کے آگے فرش راہ کیے ہوئے ہوتے ہیں:

> ''کینٹین والے اسے مفت میں کوکے کولے اور چائے رس کھلاتے ہیں۔ٹکٹ والے اس سے ٹکٹ نہیں مانگتے۔دفتر کے بابو اسے دیکھ دیکھ باچھیں کانوں تک چیر لے جاتے ہیں۔سپاہی اپنی کرسی اسے پیش کرتے دیتے ہیں اور خود کھڑے ہو جاتے ہیں۔پہرے دار اس کی کوٹھری کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔چھوٹا،وڈا تھانیدار اس سے رشوت لینے کی بجائے الٹا اسے دے کر جاتے ہیں۔مال مسروقہ ،کنگن اور بالیاں تک۔''(22)

طاہرہ اقبال کسی عورت کو جبر کی چکی میں پستا ہوا نہیں دیکھ سکتیں وہ ہر عورت کو خود مختار صاحب حرمت دیکھنا چاہتی ہیں۔اس نے چنی کو چاند بی بی بنا دیا۔صنوبر کے سامنے دنیا بھر کی خوشیاں نچھاور کر دی۔وہ بالی کو طوائف نہیں دیکھ سکتی۔ملک اکو جب بالی کو شادی کی آفر کرتا ہے تو بالی آدھے مربعہ زمین کے بدلے اس سے نکاح کر کے اقبال بیگم بن جاتی ہے۔پھر وہ اس اقبال بیگم کے محترم عہدے کی تعظیم کرتی ہے۔اپنا سب کچھ مٹا دیتی ہے۔ملک اکو اس کی ہڈیاں توڑتا، لاتیں مکے، تھپڑ مارتا ہے لیکن نہ آدھا مربعہ ملک اکو کے حوالے کیا نہ زوجیت کے رشتے کو ختم کیا۔زمین بھی عزت کا حوالہ ہے۔ویسے بھی عورت کی زمین سے جڑت مرد کی نسبت زیادہ ہے۔اس لیے اقبال بیگم نے مرتے دم تک آدھا مربعہ صورت کسی کے حوالے نہ کیا۔گرہستی بن کر اسے دیگر خواتین کی طرح جبر اور ظلم سہنا پڑا۔

صنوبر، چاند بی بی ،اقبال بیگم کے علاوہ کئی دیگر کردار بھی ہیں۔جس میں ایک کردار سنیاری ہے جس کا تعلق پکھی واسنوں یا خانہ بدوش قبیلے سے ہے۔جو رزق کی تلاش میں قریہ قریہ گھومتے ہیں۔ان خانہ بدوش قبائل میں حاکمیت عورت کی ہے۔جہاں عورت کی حکمرانی ہے۔عورتیں ہی اس معاشرت میں چھاج بھمیریاں گھوگو گھوڑے بناتی، سانپ اور جونکیں پالتی، چوڑیاں چڑھاتیں، بدلے میں آٹا دانا روٹیاں گڑ شکر لا کر اپنے سست الوجود نشئی شوہروں کے لیے رزق کا انتظام کرتی۔اس معاشرت میں عورت حاکم ہے۔مرد کی حیثیت صرف بچے پیدا کرنے میں شراکت تک محدود ہے۔عورت کی حکمرانی کی وجہ سے یہاں ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔گھر، مکان، بستی، شہر، عزت، شہرت اور دولت ہر چیز سے دستبرداری ہے۔اس معاشرت میں سکون کی وجہ بھی یہی عدم شناخت اور عدم ملکیت تھی۔

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

''طاقت کا تراز و عورتوں کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے ہی شاید دنیا کی پر سکون ترین معاشرت ہے یہ۔نہ خدا سے گلہ نہ مخلوق سے احتجاج نہ خدائی قوانین کو چنوتی کا حوصلہ۔ جسے رب جس حال میں رکھتا ہے وہ اسی کے لائق ہوتا ہے۔ وہ سب سے نچلا طبقہ مسلیوں، میراثیوں، کمیوں کمینوں کے لیے بھی قابل نفرین۔''(23)

ایسے بے ضرر اور قناعت پسند معاشرت کی عورتیں سے مردوں کا جو سلوک ہے وہ شرمندہ کر دینے والا ہے۔مردوں کے اس کردار پر حیرت ہوتی ہے۔مرد ہر عورت کو جنسی نظر سے دیکھتا ہے۔یہ خانہ بدوش پکھی واسنیں جوں ہی کسی بستی میں داخل ہوتی ہیں۔مردوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ رال ٹپکاتے ہوئے باہر نکل آتے ہیں۔سنیاری جوں ہی گاوں میں وارد ہوتی اس کی بھمبیریوں اور چھاجوں کی ہر طرف دھوم مچ جاتی۔جیسے سنیاری نے پورے جگ کو بھمبیری بنا دیا ہو۔ہر طرف مردوں کے ہوکے اور آہیں ہیں۔مردوں کے دل چھاج کی طرح ہولارے لینے لگتا اور بھمیریاں گاوں کے آسمانوں پر اڑنے لگتیں۔لیکن سنیاری کی شہتوت کی لمبی چھمک کتوں بلوں کو ساتھ نہ پھٹکنے دیتی۔شہتوت کی لمبی چھمک اس کی حفاظتی دیوار تھی۔لیکن چنی کا والد سنیاری کا ایسا دیوانہ ہوا کہ سب کچھ چھوڑ کر خود کو سنیڑی کے سپرد کر دیا۔سنیاری کی محبت میں دتو نے ساری خانہ بدوشی۔چھاج، بھمبیریاں، شہتوت کی چھمکیں بنانا سب کچھ سیکھ لیا۔دتو کی محبت کا خمیازہ چنی کو بھگتنا پڑا۔ چناں کی ماں بھاگاں کو دتو کی جگہ محنت مشقت کرنا پڑی۔

ہڑپہ کا ایک نسوانی کردار ماروی ہے۔شاہ جو رسالو کی ماروی کی طرح جو اپنے وطن اور محبوب سے وفاداری کا استعارہ ہے۔ماروی بھی سندھ کے کسی نواب کی بیٹی تھی۔اپنے کام دار کے بیٹے کے عشق میں پنجاب تک آئی۔اس کا عاشق ماروی سے وفا نہ کر سکا اور اسے بس اڈے پر لاوارث چھوڑ دیا۔عورتوں کو ایسے حادثات روز پیش آتے ہیں۔گھر کے جبر سے تنگ آکر مردوں کی محبت پر بھروسا کرتے ہوئے لڑکیاں گھر تک چھوڑ دیتی ہیں۔لیکن مرد ایسی معصوم لڑکیوں کو ہوس کا نشانہ بنا کر بے آسرا چھوڑ دیتے ہیں۔جہاں انہیں لاری اڈوں یا دارالامان میں پناہ ڈھونڈنی پڑتی ہے یا بلی جیسا پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ماروی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

جہاں وہ ملک صابو کے نکاح میں آگئی۔وہ ملک صابو کے دھپے ٹھڈے کھاتی، برتن مانجھتی، مانگیں دباتی تین بچوں کی ماں بن گئی۔پر ماروی ازل سے جو گناہ گار آخر ایک دن ملک صابو نے اس کے گناہوں کا ازالہ کر دیا۔ماروی لاوارث تھی لاوارث ہو کر مری۔نہ کہیں جنازہ اٹھا نہ کہیں مزار بنا۔ہڑپہ کے ڈھنڈاروں میں ملک صابو کے ہاتھوں ماری گئی۔

''عورت سے روا رکھے سلوک کی کوئی وجہ یا منطق تھوڑی ہوتی ہے۔خوب صورت خاندانی بیوی کی موجودگی میں نوکرانی اچھی لگتی ہے۔ کبھی رنڈی کبھی پڑوسن کبھی راہ جاتی۔یہ دریا تبھی اترتا ہے جب پانی سوکھ جاتے ہیں تو پھر کھونٹے سے بندھی ترھائی گائے کی ضرورت پڑتی ہے۔جو اس منہ ماری میں جلتی کڑھتی چیختی چلاتی خاموش ہو چکی ہوتی ہے۔''(24)

مصنفہ نے ہڑپہ کی تہذیب سے چنی کا کردار پیش کیا۔مہنجوداڑو کی تہذیب سے ماروی کا کردار۔دونوں تہذیبوں میں عورت کی حالت زار کو بیان کیا ہے۔صدیوں پہلے بھی عورت مظلوم تھی آج بھی عورت مظلوم ہے۔پدر شاہی کے بنائے ہوئے Tabos نے ہمیشہ چنی اور ماروی کا استحصال کیا۔مصنفہ نے ہر نسوانی کردار میں عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے غیر انسانی سلوک کو واضع کیا ہے۔خواتین کے ساتھ جنس کی وجہ سے جو امتیازی سلوک کیا جاتا ہے جس میں تشدد، زدوکوب، جنسی استحصال، ریپ، ہر اسانی سماجی نابرابری، صنفی امتیاز، ملکیت کا نہ ملنا۔مذہب، معیشت اور تعلیم پر مردوں کی اجارہ داری کو مختلف کرداروں کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ صالحہ صدیقی، تانیثیت کی مختلف جہتیں (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس 2013ء) ص 39
2۔ فاطمہ حسن، فیمنزم اور ہم (کراچی: وعدہ کتاب گھر 2005ء) ص 13
3۔ شبنم آرا، تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس 2008ء) ص 1
4۔ فیمنزم اور ہم، ص 13
5۔ ایضاً ص 116
6۔ ڈاکٹر سیما صغیر، تانیثیت اور اردو ادب روایت، مسائل اور امکانات (نئی دہلی: براؤن پبلی کیشنز 2018ء) ص 208
7۔ طاہرہ اقبال، نیلی بار (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز 2017ء) ص 8
8۔ شاہ محمد مری، فیوڈل معاشرے سے حالت جنگ، مشمولہ: ہڑپہ از طاہرہ اقبال (جہلم: بک کارنر 2023) ص 17، 18
9۔ طاہرہ اقبال، ہڑپہ (جہلم: بک کارنر، ۲۰۲۳ء) ص 68

10۔ ایضاً، ص71
11۔ ایضاً، ص239
12۔ ایضاً، ص235
13۔ ایضاً، ص269
14۔ ایضاً: ص277
15۔ ایضاً، ص272
16۔ ایضاً، ص293
17۔ ایضاً، ص93
18۔ ایضاً، ص151
19۔ ایضا، ص388
20۔ ایضاً، ص50
21۔ ایضاً، ص51
22۔ ایضاً، ص59
23۔ ایضاً، ص116
24۔ ایضاً، ص397